© rasailojaraid.com

دورِ جدید میں اسلامی قانون (فقہ)

از: پروفیسر مولانا سعید احمد اکبر آبادی

مترجمہ: ڈاکٹر مولوی ماجد علی خاں[1] جامعہ ملیہ اسلامیہ (نئی دہلی)

(دوسری قسط)

مجتہد کون ہو سکتا ہے؟ یہاں پر اب ایک اہم سوال ابھرتا ہے کہ ضرورت پڑنے پر اس قسم کی تبدیلیوں کا نیز ان تبدیلیوں کی تصدیق و توثیق کا حق کس کو حاصل ہے؟ مجھے امید ہے کہ مسلمانوں میں اس معاملہ میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ صرف مسلم فقہاء کو ہی ان معاملات کو دیکھنے کا اور فیصلہ دینے کا ہی اختیار ہے۔ یہی وہ حضرات ہیں جو قرآن کریم میں مذکور لفظ اولوالامر کے مصداق ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہے:

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ج (النساء: ۵۸)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (اللہ) کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں....."

ایک دوسری جگہ قرآن کہتا ہے:

فَسْـَٔلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (النحل[1]: ۴۳)

احقر مترجم کا فاضل مقالہ نگار مدظلہٗ کے تمام خیالات سے پوری طرح متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ (ماجد)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اگر تم لوگوں کو علم نہیں ہے تو اہلِ علم سے پوچھ دیکھو"

فقہار کا یہ حق فطری ہے اور تمام جگہ اسی پر عمل ہو رہا ہے۔ یہاں پر یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں صرف اس علم میں تخصص ہی کافی نہیں جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے بلکہ اس کے ساتھ تقویٰ اور پرہیزگاری بھی ضروری ہے اور اس سلسلہ کے بنیادی شرائط میں سے ہیں۔ کیونکہ قرآن صاف صاف یہ اعلان کرتا ہے کہ وہ "هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ" (پرہیزگاروں کے لیے راہ ہدایت) ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں اجتہاد کے بارے میں تفصیلی مطالعہ کے بعد راقم السطور یہ ضروری سمجھتا ہے کہ بطور مثال موجودہ دور کے مسلمانوں کے چند اہم مسائل پر بھی روشنی ڈالی جائے۔ اس سلسلہ میں راقم السطور اس کا اظہار کرنا بھی ضروری خیال کرتا ہے کہ وہ اس جگہ فقہ اسلامی کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے گفتگو کر رہا ہے نہ کہ ایک حَکَم (اور جج) کی حیثیت سے کسی مسئلہ میں فتویٰ دینا میرا کام نہیں ہے یہاں پر صرف جستجو اور مذاکرہ ہی مقصد ہے۔

تعددِ ازدواج تعددِ ازدواج ہمارے زمانہ کا سب سے زیادہ معرضِ بحث موضوع ہے لیکن مجھے تعجب ہے کہ اس موضوع پر اتنا شور وغل اور ہنگامہ کیوں برپا کیا جا رہا ہے یہ مسئلہ بہت آسان ہے اور اس کا بہت معقول جواب دیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل باتیں سمجھنا ضروری ہیں:

(۱) اسلام سے قبل نہ صرف عرب میں بلکہ بہت سے دوسرے ممالک میں بھی تعددِ ازدواج پر عمل کیا جاتا تھا جیسا کہ امیر علی نے اپنی کتاب "دی اسپرٹ آف اسلام" میں بھی لکھا ہے۔

(۲) اسلام سے قبل لوگ عام طور پر حالتِ جنگ میں رہتے تھے۔ مسلسل جنگ و پیکار کی وجہ سے آدمیوں کی تعداد عورتوں کے مقابلہ میں کہیں کم تھی۔ عورتوں کے سرپرستوں اور نگہداشت کرنے والوں کی کمی کی وجہ سے ان کو خستہ حالی اور محتاجگی کی زندگی بسر کرنا پڑتی تھی۔ ان حالات کی وجہ سے تعددِ ازدواج کو زیادہ فروغ ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳) اسلام کو ابتدائی تاریخ میں ان ہی حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ مسلمان اپنے دشمن سے جو کہ اُن کو مٹانے پر تلا ہوا تھا مستقل حالتِ جنگ میں رہے۔ عورتیں اپنے محبوب شوہروں سے اور بچے اپنے پیارے والدوں سے محروم ہو گئے۔ اسلام کو ان بیکس بیواؤں اور یتیموں کی مشکلات کا حل تلاش کرنا پڑا۔

(۴) ان ہنگامی حالات کی وجہ سے ہی اسلام کو اس بات کی اجازت دینی پڑی کہ ایک آدمی ایک سے زیادہ بیویاں رکھ سکتا ہے۔ ہنگامی حالات اجتماعی اور انفرادی دونوں قسم کے تھے مثلاً: کسی عورت کا کوئی ایسا جسمانی نقص جس کی وجہ سے وہ اپنے شوہر کی جنسی خواہشات پوری نہ کرسکے یا وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ رہے جیسا کہ نپولین کی محبوب بیوی گو بیائن کے ساتھ ہوا۔ جس کو اُس ملک کے قانون کے مطابق نپولین کو طلاق دینا پڑی۔ یہ مدّ نظر ہے کہ یک زوجگی (ایک وقت میں ایک بیوی رکھنے کا اصول) کی اجازت قرآنی نقطۂ نظر سے عام ہے جبکہ تعدد ازواج کی اجازت صرف بطور رعایت دی گئی ہے۔ یہ بات اس آیت کے مطالعہ سے ہی معلوم ہو جاتی ہے جس میں تعدد ازواج کی اجازت دی گئی ہے۔

(۵) تعدد ازواج کی مندرجہ بالا اجازت بھی غیر مشروط نہیں ہے۔ اس میں عدل و مساوات کی شرط ہے۔ پوری آیت اس طرح ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ج فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ط ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ (النساء: ۳)

"اور اگر تم کو ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں کا حق برابر نہ دے سکو گے تو (دوسری غیر) جو عورتیں تم کو بھلی لگیں اُن سے نکاح کر لو دو دو تین تین چار چار (یعنی دو سے لے کر چار تک) پھر اگر تم کو (کئی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے میں)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈر ہو کہ برابر انصاف نہ کر سکو گے تو ایک پر ہی قناعت کرو یا لونڈی پر۔ یہ ظلم سے بچنے کی زیادہ نزدیک راہ ہے"

یہ بات قابل غور ہے کہ یہ آیت غزوۂ احد کے بعد نازل ہوئی تھی جب کہ مسلمانوں کے اندر (جنگ کے نتیجہ میں) کافی تعداد میں بیوائیں اور یتیم بچے ہو گئے تھے۔ کچھ جنگی قیدی بھی تھے۔ اسی سورہ کی ایک دوسری آیت میں یہ مذکور ہے کہ اس سلسلہ میں دیانتداری اور تقویٰ کے باوجود عدل ومساوات کا اختیار کرنا الفاظ کے باضابطہ معنیٰ کے اعتبار سے ممکن نہیں۔ اس لیے عدل کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ کوئی اپنی (دوسری) بیوی کو بے یار و مددگار نہ چھوڑ دے (جس کے لیے قرآن کے الفاظ فَتَذَرُوْھَا کَالْمُعَلَّقَةِ : یعنی دوسری کو بیچ ادھر میں لٹکائے رکھو، آئے ہیں) - اس لیے یہ آپسی سمجھوتہ پر موقوف کر دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ " وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا " (یعنی اگر درستی سے چلو اور ظلم وزیادتی سے بچے رہو تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔)

(۶) اس سلسلہ میں ایک اہم بات یہ ہے کہ تعدد ازدواج کا شمار احکامات کی ایک خاص قسم یعنی مباحات میں ہوتا ہے۔ اس طرح دوسرے مباحات کی طرح تعدد ازدواج میں جہاں کچھ خوبیاں ہیں وہاں افراط وتفریط کی وجہ سے اس کا غلط استعمال بھی ہو سکتا ہے۔ اور اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں جب کسی مباح کو ذاتی اغراض پورا کرنے کی وجہ سے غلط استعمال کیا جانے لگے اور اس کی وجہ سے اخلاقی ومعاشرتی اقدار متاثر ہوتی ہوں تو اسلامی اسٹیٹ یا مسلمانوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس میں مداخلت کرے اور اس کو عارضی طور پر روک دے یا کچھ پابندیاں عائد کر دے۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ کے بہت سے فیصلوں سے اس نقطۂ نظر کو مزید تقویت ملتی ہے۔ یہ مسئلہ سب کو معلوم ہے کہ مسلمان اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں لیکن جب حضرت عمرؓ کو یہ معلوم ہوا کہ یہ عمل معاشرہ میں بہت عام (و مقبول) ہوتا جا رہا ہے تو انھوں نے یہ فرمایا "گو کہ مجھے کسی حلال چیز کو حرام یا حرام چیز کو حلال کرنے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیار نہیں ہے لیکن مجھے اس کی ضرور فکر ہے کہ اگر تم رومی لڑکیوں کی خوبصورتی پر اسی طرح ریجھتے رہے تو عرب کی کنواری لڑکیوں کا کیا حال بنے گا۔"

بہرحال اس سلسلہ میں یہ صرف چند اہم نکات تھے جن کو اگر سامنے رکھا جائے تو ایک مجتہد یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ تعدد ازدواج کی شرعاً اجازت ہے لیکن اس مسئلہ کی اباحت کے سلسلہ میں اسلام کی عائد کردہ کچھ قیود و پابندیاں، دنیا میں انسانوں کی تیزی سے بڑھتی ہوئی تعداد، دیگر معاشی اور معاشرتی مسائل کی وجہ سے اسلامی اسٹیٹ یا اُس کی غیر موجودگی میں خود مسلمان اگر ایسا مناسب سمجھتے ہوں تو اس عمل پر کچھ پابندیاں عائد کرسکتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ سے اخلاقی اور معاشرتی اقدار متاثر نہ ہوں۔

طلاق طلاق مباحات میں سے ایک ایسا مباح عمل ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابغض المباحات (یعنی حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز) بتایا ہے۔ اس سلسلہ میں مسلم معاشرہ کے کچھ غیر محتاط افراد کے طرز عمل سے مسلم معاشرتی نظام کو زبردست نقصان پہنچا ہے جس کی وجہ سے بہت سی بے گناہ اور مظلوم عورتوں کو سخت پریشانی اور کلفت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں کے کچھ حلقوں نے اس کی آواز اٹھائی ہے کہ فقہ کے اس خاص مسئلہ پر غور و خوض کرنا چاہیے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا اس میں کچھ تبدیلی یا اصلاح ممکن ہے۔ میرے خیال میں اس مسئلہ میں اجتہاد کی کافی گنجائش ہے۔ اس سلسلہ میں یہ مدنظر رہے کہ قرآن نے زوج و زوجہ کے تمام اختلافات میں جن سے رشتہ ٹوٹنے کا اندیشہ ہو جانبین کی طرف سے ایک حکم مقرر کرکے معاملہ طے کرانے پر زور دیا ہے۔ ارشاد ہے "وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا" (اور جو تم ڈرو کہ میاں بی بی میں کھٹ پٹ ہو گی ایک پنچ خاوند کے کنبے میں سے اور ایک پنچ عورت کے کنبے میں سے مقرر کرو......) ان حکموں کی پہلی کوشش صلح کی ہوگی (اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا۔ (النساء: ۳۵) اور اگر صلح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ ہو سکی تو طلاق یا خلع کی گنجائش ہوگی ۔ وَاِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰہُ کُلًّا مِّنْ سَعَتِہٖ ط (اور اگر صلح نہ ہو سکے) میاں بیوی جُدا ہو جائیں (طلاق یا خلع سے) تو اللہ تعالیٰ اپنی گنجائش سے (تفضل سے) کسی کو دوسرے کا محتاج نہ رکھے گا۔ النساء : ۱۳۰)

اس میں شک نہیں کہ شوہر کو طلاق دینے کا اختیار دیا گیا ہے لیکن اس حق کو استعمال کرنے کے لیے کچھ (اخلاقی و معاشرتی) پابندیاں ضروری ہیں اور اس کو من مانے (اور بے قاعدہ) طریقے سے اس حق کو استعمال کرنے کا اختیار نہیں۔ خلیفۂ رابع حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک شوہر کو جو کہ اس تصور میں تھا کہ اس کو (من مانے طریقہ پر) طلاق دینے کا پورا اختیار حاصل ہے بتایا کہ اس کو متعلقہ حکموں کے فیصلہ کا پابند ہونا پڑے گا جیسا کہ (مندرجہ بالا) آیت میں کہا گیا ہے[۵۱] کچھ مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شوہر کے ذریعہ دی گئی طلاق میں مداخلت فرمائی ہے اور ایسی طلاق کو رد فرما کر مرد کو ازدواجی تعلقات کو بحال کرنے کا حکم دیا ہے۔ یا کبھی تین طلاقوں کو ایک طلاق کے برابر ہی تسلیم کیا ہے[۵۲] اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ طلاق دینے کے اختیار میں قانونی (فقہی) مداخلت کی جا سکتی ہے۔ اس طرح کسی بھی زمانہ اور دور میں مسلم فقہاء کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ طلاق کے سلسلہ میں قوانین اس زمانہ کے حالات و ضروریات کے تحت مناسب شرعی رد و بدل کے ساتھ نافذ کریں۔ اس سلسلہ میں تین باتیں قابل غور ہوں گی (۱) کس شخص کی دی ہوئی طلاق شرعاً جائز ہوگی ؟ (۲) وہ کیا حالات ہیں جن میں طلاق دینا جائز یا ناجائز ہوگا ؟ (۳) طلاق کے سلسلہ میں ادا کیے گئے الفاظ کس حد تک صحیح مانے جائیں گے اور اُن سے کس قسم کی طلاق مراد لی جائے گی۔ یہ وہ تین باتیں ہیں جو آج ہمارے ائمہ اور اکابر فقہائے تفصیلی بحثیں کی ہیں جو کتب فقہ میں موجود ہیں۔ یہ مباحث

---

۵۱ امام رازی "التفسیر الکبیر" ج ۳ ص ۳۲۰ ۔

۵۲ الصحیح البخاری۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موجودہ دور کے مجتہد کے لیے جدید حالات میں مسئلۂ طلاق پر فیصلہ دیتے وقت ایک وسیع میدان فراہم کریں گے۔

فیملی پلاننگ فیملی پلاننگ یا سادہ الفاظ میں برتھ کنٹرول (ضبط تولید) بھی ہمارے دور کے اُن مسائل میں سے ہے جن پر گرما گرم بحثیں اور پر زور دلائل کے ساتھ مذاکرات ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں یہ مسئلہ بہت آسان ہے اور اتنا پیچیدہ اور مشکل نہیں ہے جیسا کہ تصور کیا جاتا ہے۔ کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لیے مندرجہ ذیل باتیں مدنظر رکھنا ضروری ہیں:۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں شادی کا مقصد صرف جنسی خواہشات کو (جائز طریقہ سے) پورا کرنا ہی نہیں جو کہ اپنی جگہ بہت ضروری ہیں بلکہ انسانی آبادی کی نشو و نما اور اس کی تعداد میں اضافہ بھی ہے اس لیے برتھ کنٹرول (ضبط تولید) کی عام حالات میں اجازت نہیں دی جاسکتی لیکن ایک فطری مذہب ہونے کی حیثیت سے اسلام واقعی صورت حال اور زندگی کے اُن حقائق سے جو کسی قوم کو درپیش ہوں کنارہ کشی اختیار کر کے آنکھیں بند نہیں کرسکتا۔ اس سلسلہ میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں باہم تناقض ہے۔ عرب میں عزل پر برتھ کنٹرول (ضبط تولید) کے سلسلہ میں عام طور سے عمل کیا جاتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ کچھ احادیث میں عزل کے سلسلہ میں ممانعت آئی ہے لیکن اس کے برخلاف بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک روایت میں فرمایا ہے کہ "ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عزل کرتے اور وحی (بشکل قرآن) نازل ہوتی تھی"۔ اس بحث سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں:

(۱) برتھ کنٹرول (ضبط تولید) کی اجازت بغیر کسی معقول عذر کے نہیں دی جاسکتی۔

(۲) لیکن کسی حقیقی اور معقول وجہ سے برتھ کنٹرول (ضبط تولید) کی نہ صرف اجازت دی جاسکتی ہے بلکہ کبھی کبھی یہ عمل ضروری بھی ہو جاتا ہے۔ البتہ محض اغراض نفسانیہ کو پورا کرنے اور دل بہلانے کے مقصد سے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ میرے خیال سے ایسے مواقع پر مندرجہ ذیل آیات فقر کے خوف سے بچوں کے قتل کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ

(الانعام: ۱۵۱)

" اور اپنی اولاد کو محتاجی کے ڈر سے نہ مار ڈالو۔ ہم رہی) تم کو روزی دیتے ہیں اور اُن کو (بھی دیں گے)"

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۳۱)

" اور محتاجی (افلاس کے ڈر سے) اپنے بچوں کو مار نہ ڈالو۔ ہم ان کو اور تم کو دونوں کو روزی دیتے ہیں۔ بے شک اُن کا مار ڈالنا بڑا گناہ ہے"

حقیقی اور معقول وجوہات جسمانی اور اقتصادی دونوں قسم کی ہوسکتی ہیں۔ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء العلوم اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ دہلوی نے اپنی "تفسیر" میں آیت : وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ الخ (اور جب اُس لڑکی سے جو جیتی گاڑدی گئی تھی پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی) کی تفسیر کے ذیل میں اس حد تک اجازت دی ہے کہ عورت کے حُسن کی حفاظت بھی اُن معقول وجوہات میں شامل کی جاسکتی ہے جن کی وجہ سے ضبط تولید کا عمل کیا جاسکتا ہے۔ دیگر جسمانی حالات تو در کی بات ہیں (یعنی اُن کی اجازت کو اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے)۔ بہرحال اس سلسلہ میں دو چیزیں مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ پہلے یہ کہ یہ شوہر و بیوی کے درمیان ذاتی و نجی معاملہ ہے اور اس سلسلہ میں وہ (شرعی حدود کے اندر) مناسب تدابیر اختیار کرنے کے مجاز ہیں۔ اسلام کے مطابق کسی گورنمنٹ کو اس میں مداخلت کا اختیار نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ برتھ کنٹرول (ضبط تولید) کے سلسلہ میں استعمال کی گئی تدبیر صحت کے لیے کم سے کم مضر ہونا چاہیے۔

<u>بنک کا سود</u> | بنک کا سود بھی ان چند مسائل میں سے ایک ہے جن پر علماء اسلام نے کافی مباحث کیے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی بہت آسان مسئلہ ہے۔ "بیع" اور "ربو" دو ایسے الفاظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں جن پر قرآن نے مالی لین دین کے سلسلے میں اپنے صاف صاف احکامات دیے ہیں۔ اول الذکر حلال چیز ہے جبکہ دوسری چیز (یعنی "ربوٰ") حرام ہے۔ ان کے علاوہ کچھ ایسے لین دین بھی ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ربوٰ" میں شمار فرمایا ہے اس وجہ سے وہ بھی حرام ہیں۔ اس کے مقابلہ میں کچھ ایسے مالی لین دین ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "بیع" میں شمار فرمایا ہے۔ اس لیے وہ حلال ہیں۔ اگر کوئی ان دونوں قسم کے مالی معاملات کا جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا ہے بنظر غائر مطالعہ کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ "ربوٰ" کا حقیقی مطلب ناجائز طور پر اقتصادی فائدہ حاصل کرنا (Economic Exploitation) ہے جس کی وجہ سے معاشرہ کا ایک طبقہ دوسرے طبقہ کی غربت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے ذاتی مفادات اور قساوت کو سامنے رکھ کر نیز دوسرے کی خوشحالی یا تنگدستی سے قطع نظر کر کے بہت زیادہ امیر بن جاتا ہے۔ اس نتیجہ پر پہنچنے کے بعد پھر موجودہ بینکاری نظام کا بغور جائزہ لینا ہوگا اس کے بعد یہ طے کرنا ہوگا کہ بنک کا انٹرسٹ حقیقی معنی میں قرآن میں مذکور "ربوٰ" کے تحت آتا ہے یا نہیں اور اگر آتا ہے تو پھر یہ مکمل ربوٰ ہے یا جزء دی ربوٰ، یا یہ کہ یہ مضاربت اور شرکت کی ہی کوئی قسم ہے۔ مضاربت اور شرکت وہ تجارتی معاملہ ہے جس کو اسلام نے جائز قرار دیا ہے۔ بہر حال یہ وہ راستہ ہے جس کو ایک مجتہد اختیار کرنے کے بعد کوئی نتیجہ نکال سکتا ہے اور اس مسئلہ کا اطمینان بخش حل تلاش کر سکتا ہے۔

انشورنس (بیمہ) انشورنس (بیمہ) بھی مسائل کی مندرجہ بالا قسم میں شمار ہوتی ہے۔ اس پر عرب دنیا کے دو مشہور عالم —— شام کے شیخ مصطفیٰ اور مصر کے شیخ ابوزہرہ —— کے درمیان کافی گرما گرم بحث ہوئی ہے۔ پہلے عالم نے اپنی کتاب التامین میں انشورنس (بیمہ) کو جائز قرار دیا ہے جبکہ دوسرے عالم نے اس کا انکار کیا ہے اور اس کے ناجائز ہونے کی طرف اپنا رجحان ظاہر کیا ہے۔ پوری بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ آیا انشورنس (بیمہ) ربوٰ کی تعریف میں داخل ہوتی ہے اور اس کی ہی ایک قسم ہے یا نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دنیا کے موجودہ سیاسی اور سماجی نظام نے جس کی وجہ سے انسانی تہذیب وتمدن کے ایک نئے دور نے جنم لیا ہے علماء کو مجبور کیا ہے کہ وہ اس مسئلہ پر از سرِ نو غور کریں اور قدیم فقہاء کے نظریات کا جائزہ لیں جس طرح کہ پہلے ایک غیر مسلم ریاست کو دارالہجرت کہا جاتا تھا اور فقہاء نے دنیا کو دو قسموں میں منقسم کیا تھا —— (۱) مسلم ریاست اور (۲) غیر مسلم ریاست مسلم ریاست کو دارالاسلام اور غیر مسلم ریاست کو دارالہجرت کہا تھا۔ چند سال قبل راقم السطور نے اس موضوع پر ایک مقالہ تحریر کیا تھا جو "برہان" میں کئی قسطوں میں چھپا تھا اور بعد میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے "ہندوستان کی شرعی حیثیت" کے عنوان سے ایک کتابچہ کی شکل میں دایک دوسرے مقالہ "نقشۂ المصدر" کے ساتھ) طبع ہوا تھا۔ اس میں راقم السطور نے قرآن، حدیث، اور تاریخِ اسلام کی روشنی میں یہ بتایا تھا کہ مندرجہ بالا تقسیم موجودہ حالات پر منطبق نہیں ہوتی۔ مختلف ممالک کا موجودہ سیاسی ڈھانچہ، جمہوری نظریات اور ان پر عمل، بنیادی شہری حقوق اور کسی ملک میں رہنے والے کو وطنی (شہری) حقوق کا حاصل ہونا وغیرہ ایسے نظریات ہیں جو عالمی طور پر قبول کیے جا چکے ہیں۔ اور مسلم وغیر مسلم تقریباً تمام ممالک میں اس پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ اس وجہ سے مندرجہ بالا تقسیم کے اعتبار سے مسلم وغیر مسلم ممالک میں حدِ فاصل قائم کرنا تقریباً ناممکن ہو گیا ہے اور مذہبی اعتبار سے اس کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے۔

عورتوں کی عوامی مشاغل میں شرکت وسرگرمی یہ حقیقت ہے کہ مسلم عورتیں ماضی میں الگ تھلگ زندگی گزارتی رہی ہیں۔ چاہے پردہ ہو یا نہ ہو۔ یہ ماضی میں اچھا کیوں نہ سمجھا گیا ہو لیکن اگر موجودہ دور میں مسلمان حالات کے تقاضے کے تحت فائدہ نہیں اٹھاتے ہیں تو وہ یقیناً ناقابل تلافی خسارہ میں رہیں گے۔ وہ قوم وسماج جس کی آدھے سے زیادہ آبادی اس کی زندگی کے مرکزی دھارے سے کٹ جائے تو موجودہ دور میں جبکہ دوسری قومیں ترقی کے میدان میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں اور اس دوڑ میں سب کی سب شریک ہیں، یقیناً پیچھے رہ جائے گی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور نشوونما نہیں پا سکے گی تعلیم، طب (میڈیسن) اور کسی حد تک قانون (فقہ) ایسے میدان ہیں جن میں ہماری بہنیں اور بیٹیاں شرکت کر سکتی ہیں۔ ان میدانوں میں شرکت نہ صرف یہ کہ ممکن ہے بلکہ اس کی ضرورت بھی ہے اور اسلامی قانون میں پسندیدہ بھی جیسا کہ میں اس موضوع پر تحریر بھی کر چکا ہوں۔

مغربی ممالک میں گوشت کا مسئلہ آخر میں اسی قسم کے ایک اور مسئلہ پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے جو بہن بھائی یورپ و امریکہ وغیرہ جاتے ہیں اُن کو اس مسئلہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان ممالک میں ایک خاص انداز سے جانور کو ذبح کیا جاتا ہے کیا وہ اسلام کے نزدیک جائز ہے۔ اس سوال کا جواب دو باتوں پر غور کرنے کے بعد ہی سامنے آسکے گا۔

(۱) جانور اللہ کے نام کے بغیر ذبح کیا جائے۔ (۲) ذبح کرنے کا طریقہ مشینی ہے جو اسلام کے ذریعہ تسلیم شدہ طریقہ سے بالکل مختلف ہے۔ پہلی بات کے سلسلہ میں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اللہ کا نام لیے بغیر جانور کا ذبح کرنا قطعاً ناجائز ہے (یعنی ایسے جانور کا گوشت حلال نہیں) ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت میں صاف طور سے اُس جانور کے گوشت کو کھانے سے جس کو اللہ کا نام لے کر ذبح نہ کیا جائے منع فرمایا ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ط (الانعام: ۱۲۱)

"اور جس جانور پر (کاٹتے وقت) اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے اس کو مت کھاؤ۔ اور اس میں سے کھانا فسق ہے"

اس کے بالمقابل امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صرف اس جانور کا گوشت کھانا حرام ہے جس کو اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کا نام لے کر ذبح کیا جائے۔ وہ جانور جس کے ذبح کرتے وقت کسی کا نام نہ لیا گیا ہو، نہ اللہ کا نہ کسی دوسرے کا، اس کو کھانا اُن کے نزدیک جائز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس مسئلہ پر کئی آیات میں گفتگو کی گئی ہے جن میں سے کچھ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اُن جانوروں کا گوشت کھانا جن پر اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کا نام لیا گیا ہو حرام ہے (سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۱۷۳، اور سورۃ الانعام، آیت ۱۴۵) کچھ آیات میں اس کا حکم دیا گیا ہے کہ جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا ضروری ہے۔ اُن میں سے ایک آیت مندرجہ بالا آیت (سورۃ الانعام، آیت ۱۲۱) ہے جس میں "وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ" کے الفاظ ہیں یعنی ایسے گوشت کا کھانا فسق ہے۔ انہی الفاظ (وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ) کے ساتھ سورۃ الانعام کی ایک اور آیت ۱۴۵ بھی ہے جس میں ایسے جانور کا گوشت کھانا فسق بتایا گیا ہے جس کو اللہ کے نام کے علاوہ کسی دوسرے کے نام پر ذبح کیا گیا ہو کیونکہ دونوں جگہ فسق کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے اس لیے امام شافعی کہتے ہیں کہ صرف ایسے جانور کا گوشت کھانا حرام ہے جس کو ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو جس کے نتیجہ میں باقی دو صورتوں میں گوشت حلال رہے گا۔ اگر ہم آسانی کی غرض سے امام شافعی کے اس قول پر عمل کر لیں تو جہاں تک پہلے معاملہ کا تعلق ہے یورپ و امریکہ میں ذبح کیے گئے جانور کا گوشت حرام نہیں رہے گا۔

جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے علماء کو یہ دیکھنا پڑے گا کہ اسلام کی پوری تاریخ میں اب تک مسلمان جس طریقہ سے جانور کو ذبح کرتے چلے آرہے ہیں وہ کیا مذہبی اقدار میں کوئی قدر ہے یا محض رسم و رواج کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر اس کی حیثیت صرف رسم و رواج کی ہے اور اس کے پیچھے قرآن و حدیث کی صریح دلیل نہیں ہے تو ایک دوسرا بہتر اور زیادہ ترقی یافتہ طریقہ اپنانے سے شرعی حدود کی خلاف ورزی نہیں سمجھی جائے گی۔

مندرجہ بالا مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فقہ اسلامی ایک جامد، بے حرکت و غیر متحرک قانون نہیں ہے بلکہ متحرک، تغیر پسند، پر از حیات قانون ہے جو پوری قوت اور اعتماد و بھروسے کے ساتھ کسی بھی دور کے حالات کے مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

© rasailojaraid.com